ابتدائی اردو ناول میں تعلیمِ نسواں اور استعماری صورتِ حال

ڈاکٹر محمد نعیم*

Abstract

Colonial predicament brought forth new social possibilities and challenges for Indian subjects. To accommodate, assimilate or resist these changes they used printed word. This technology provided them the space to understand, interpret and construct the situation and disseminate their thoughts and reactions in forms of literary genres. They introduced cultural reform or revivalist tropes of female education in newly introduced genre, the novel. It is interesting and important to underscore these trends. In this article I will use comparative methodology to understand the different reactions of Muslim elites regarding the female education. Nazir Ahmad's Miratul Uroos(1869), Shad Azeem Abadi's Soratul Khayal(1881) and Nawab Afzal-ud-Din Ahmad's Fasan-e-Khursheedi (1891) will be the primary texts to underscore the Indian reactions to the colonial situation. This will help us understanding the transforming middle class milieu of late 19th century and the genealogy of female pedagogy in the subcontinent.

ریاست کی جدید شکل سے قبل، جسے صنعتی معشیت نے ممکن بنایا، ریاستی ڈھانچہ زرعی پیداوار اور جاگیردارانہ اقدار پر انحصار کرتا تھا۔ یورپی صنعتی انقلاب نے اس سماجی ساخت کو تبدیل کیا اور سرمایہ دارانہ معاشی نظام کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ہنر مند افراد کی تیاری کا بندوبست عام تعلیمی اداروں کے اجرا اور باقاعدہ نظام الاوقات کے تعین سے کیا۔(۱) برعظیم میں استعماریت کا ابتدائی دور ہندوستانی تہذیب اور اس کے مظاہر کے اعتراف کا دور ہے جب انگریز مستشرقین کی پہلی نسل اٹھارویں صدی میں ہندوستانی زبانوں اور تہذیب کو حیرت و تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے۔ تاہم جیسے جیسے استعماریت کے قدم جمتے ہیں، برطانیہ میں لبرلزم عام ہوتا ہے اور ہندوستان میں استعماریوں کی ضرورتیں بڑھتی ہیں، ویسے ویسے ہندوستانی تہذیب کے بارے استعماریوں کی رائے میں تحقیر اور یہاں کی آبادی کو اپنے مقاصد کے تحت تعمیر کرنے کی خواہش زور پکڑتی ہے۔ جو خوب تھا اب بتدریج ناخوب ہوا۔ 1857 کی جنگ آزادی استعماریوں (Colonizers) اور مقامیوں ہر دو کو مفاہمت کی راہ تلاش کرنے پر تیار کرتی ہے۔ ایک کا مقصد دوبارہ ایسی بغاوت

---

* شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا۔

کی روک تھام ہے، دوسرے کے پیشِ نظر اپنی پوزیشن بحال کرنے کا سوال ہے۔ ایسے عالم میں شمالی ہندوستان سماجی اصلاح کی مختلف تحریکوں کا گھر بنتا ہے جن میں ایک تعلیمِ نسواں ہے۔اسے اردو دنیا کے فکری مکالمے کا حصہ بنانے میں ناول نے بھرپور حصہ لیا۔ان مباحث کی ضرورتوں میں استعماریت کا براہِ راست حصہ ہے۔ مقامی آبادی کو اپنے مقاصد کے تحت تعمیر کرنے اور اپنے نظام کا کل پرزہ بنانے کے لیے استعماریوں نے ہندوستان میں اصلاحی منصوبوں پر زور دیا۔ ہندوستانیوں کو جدید خطوط پر استوار کرنے کا بیڑہ اٹھایا گیا۔ جس کے ردِ عمل میں ہندوستانی اہلِ قلم نے مختلف تحریروں میں دیسی باشندے(Subject Indian)کے سامنے اصلاح یا احیا کے مختلف رول ماڈل پیش کیے۔ انھی میں تعلیمِ نسواں کے مختلف ماڈل سامنے آئے جو بدیسی حکمرانوں، استعماری صورتِ حال اور مقامی سماج کی مختلف ضروتوں کی بنیاد پر متشکل ہوئے۔اس مضمون میں ہم ان ضرورتوں کو سامنے لاتے ہوئے تین اردو ناولوں کا جائزہ لیں گے، جس سے شمالی ہند میں عام نسوانی تعلیم کے ابتدائی خدوخال کو سمجھنا ممکن ہو سکے گا۔

یورپ میں مڈل کلاس کا ارتقا کلیسا سے آزادی، مذہبی اجارہ داری پر سوال اٹھانے، اپنے حقوق کا شعور حاصل کرنے اور علمی دنیا میں تشکیکی رویے کے پھیلاو کی صورت میں ہوا جسے جدیدیت کا نام دیا گیا۔(۲) تاہم شمالی ہندوستان کے متوسط یا اشراف مسلمانوں میں جدیدیت کی لہر نے ان رویوں کی بجائے مذہب کی روایتی اور جدید تعبیروں میں پناہ لی۔ جہانِ دیگر کی بجائے دنیاوی زندگی کے مختلف شعبوں کی سمت توجہ منعطف کرنے(۳) کے باوصف شمالی ہند کے مسلمان مذہبی طرزِ احساس کو نظر انداز کرنے پر تیار نہ تھے۔ مذہب ان کے لیے استعماری صورتِ حال میں اپنی شناخت وضع کرنے کا ایک ذریعہ بن گیا تھا۔ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ شناخت کی اس بنیاد کو قائم کرنے اور پختہ بنانے میں خود استعماری طرزِ علم کا بنیادی کردار تھا۔(۴)

یوپی میں کچہری سے وابستہ مسلم نوکری پیشہ اشرافیہ کے لیے فارسی کی بندش اور انگریزی و اردو کے نفاذ سے ایک نئی صورتِ حال نے جنم لیا۔ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے نئے سیاسی انتظام نے پیدا کی تھی۔ مسلم اشرافیہ سے مراد وہ لوگ تھے جو مغل دربار سے منسلک رہے جنھیں جاگیریں، خلعتیں اور خطابات عطا ہوئے۔ اشراف ہونے کے لیے دوسری، اور لازمی، شرط نسلی شرف تھا۔ جس میں سید، شیخ (اولادِ صحابہ)، ترک اور پٹھان شامل تھے۔ یعنی اشراف کے لیے غیر ہندوستانی النسل ہونا ضروری تھا۔(۵) استعماریت نے ہندوستان کے سماج، معاشی ڈھانچے اور علمی وضعیں تبدیل کرنے کے لیے متعدد تدابیر اختیار کیں۔(۶) ان تبدیلیوں سے معاملہ کرنے کے لیے مقامی اشرافیہ نے جدید تعلیم سے قربت اور عامیوں کے لیے مذہبی تعلیم کے اجرا کی حکمتِ عملیاں بیک وقت اختیار کیں۔ گھر سے باہر تبدیل

ہوتی دنیا کے ساتھ تعامل کے لیے محض مردوں کی تعلیم کافی نہیں تھی۔ استعمار کاروں سے میل جول نے ملازمت پیشہ اشرافیہ کو خواتین کی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ کیا۔ ان تبدیلیوں کے ضمن میں مردوں نے دہری پالیسی اختیار کی۔ گھر سے باہر کی دنیا یعنی سماج میں مغربی جدیدیت کو قبول کیا تاہم گھر کے اندر کی دنیا یعنی ثقافت میں روایت کو محفوظ کرنے اور رواجی عناصر کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا وطیرہ اپنایا۔(۷) اس لیے سماجی اصلاح کی ہندوستانی مثال یورپی جدیدیت سے مختلف صورت اختیار کرتی ہے۔

ایسے عالم میں اشراف کے ہاں آئندہ نسلوں کی تربیتِ نو اہمیت حاصل کر گئی اور تعلیمِ نسواں کی طرف استعمار کاروں نے بھی توجہ دلائی۔(۸) اپنے من چاہے تصورات کو فروغ دینے اور ناپسندیدہ خیالات کی عوامی ترسیل کی روک تھام کے لیے استعماریوں نے نگرانی کا نظام وضع کیا اور مختلف انعامی سلسلے متعارف کروائے۔(۹) عام تعلیم کے فروغ کے بنیادی اسباب میں سے ایک اور اس کی وجہ سے مہمیز حاصل کرنے والی طباعت کے نتیجے میں تحریر اور سماجی مکالمے کے نئے امکانات بروئے کار آ رہے تھے، تاہم ان پر پبلک انسٹرکشن جیسے اداروں اور سنسر شپ ایکٹ جیسے قوانین سے استعماری گرفت مضبوط کی گئی تھی، نتیجہ ان امکانات سے چند خاص دائروں میں ہی کام لیا جا سکتا تھا۔(۱۰) ان امکانات میں سے چند ایک اردو ناول میں سامنے آئے۔ یہ بات خالی از دلچسپی نہیں کہ اردو کا پہلا ناول استعماری حکومت کی طرف سے انعامی اعلان کے جواب میں لکھا گیا(۱۱) اور یہیں سے تعلیم و تربیتِ نسواں کا جدید سلسلہ شروع ہوا۔

مراۃ العروس (۱۸۶۹) میں اصغری بہترین نسوانی رول ماڈل کے طور پر پیش کی گئی ہے اور اس کی خوبیاں اکبری کی خامیوں کے بالمقابل روشن ہوتی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس اولین ناول کے دیباچے میں تعلیمِ نسواں کی اہمیت اور اس کے مفید نتائج کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ڈپٹی نذیر احمد نے ملکہ وکٹوریا کی مثال کا ایک سے زائد بار حوالہ دیا ہے۔ اسی کو بنیاد بنا کر خواتین کی مخفی صلاحیتوں اور امکانات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔(۱۲) اس پر مستزاد پبلک انسٹرکشن کے ڈائریکٹر میتھیو کیمپسن نے ناول پر اپنی تقریظ میں اس کے تعلیم و تربیتِ نسواں کی ذیل میں مفید ہونے اور مستقبل میں اس کے مشہور ہونے کی نوید دی ہے۔(۱۳) البتہ یہ پیشِ نظر رہے کہ اصغری کا باپ اس کی شادی کے موقع پر نصیحت آمیز خط میں عورتوں کے ناقص العقل ہونے کی بات کرتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو ناول کا یہ ابتدائی نمونہ سماجی فہم میں آنے والی تبدیلیوں سے ابھرنے والے (Emergent) رجحانات اور ثقافت کے باقی ماندہ (Residual) عناصر (۱۴) کے درمیان چل رہی کشمکش کی نمائندگی کر رہا تھا۔ اگر ایک طرزِ فکر عورت کو ناقص العقل کہتا تھا تو دوسرا اس کی نصف جہان پر پھیلی سلطنت کو چلانے میں مہارت کا معترف تھا۔ وکٹوریہ بطور مثالی نمونہ

صورۃ الخیال کے دوسرے حصے میں بھی سامنے آتی ہے۔ جس کی مرکزی کردار ولایتی اپنی ہم جولیوں کو سمجھاتی ہے کہ ملکہ "ماشاالله دست قلم پڑھی لکھی، سب علموں میں قادر۔ جب تو یہاں وہاں، دونوں جگہ کی سلطنت کا بوجھ سنبھالے ہوئے ہے۔"(۱۵)اس رول ماڈل کی موجودگی تعلیمِ نسواں کی طرف کوششوں کے لیے مہمیز ثابت ہو رہی تھی۔ تاہم زیرِ بحث تینوں ناولوں میں عورت کو مرد کا مطیع و دست نگر دکھانے اور اس کے حکم کا پابند رہنے کی تلقین موجود ہے۔ مراۃ اور صورۃ کے علاوہ اسی دور کے ایک اور ناول فسانہ آزاد (۱۸۸۰) میں بھی مرد کرداروں کی کامیابی کا بنیادی سبب عورت ہی بنتی ہے تاہم اس کا رول ایک خاص دائرے کا پابند رہتا ہے۔ یہ البتہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس سے قبل عورت کا یوں مرد کی سماجی زندگی میں کردار ادا کرنا اور اس کی معاشی کامیابیوں کا سہارا بننا اردو فکشن میں دکھائی نہیں دیتا۔ اس سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ استعماری پراجیکٹ من و عن ہندوستان میں عملی صورت اختیار نہیں کر رہا تھا بلکہ یہ ایسا ملواں منصوبہ تھا جسے استعماری اور دیسی دونوں مکاتبِ فکر اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق تشکیل دے رہے تھے۔ تعلیمِ نسواں کے بارے استعماری افسران فکر مند تھے اور اس ذیل میں ہونے والی کوششوں کی ترویج میں پیش پیش تھے۔ اس پس منظر سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ اشراف کی ذاتی مجبوریوں اور استعمار کی ضرورتوں نے تعلیمِ نسواں کو ایک رجحان بنانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔

استعماری حکومت کے فروغ نے نئی سماجی اور معاشی صورتِ حال پیدا کی۔ اس میں قدیم ہنر، جنھیں مغل دربار میں قبولیت اور اعتراف حاصل تھا، ان کی پوچھ گچھ نہ رہی۔ شاعری، زبان دانی اور دیسی فنون کی قدر دانی کرنے والے امرا نہ رہے۔ ایسے عالم میں بدیسیوں کی پسند کے مطابق خود کو ڈھالنا زندہ رہنے کے لیے لازم ہو گیا تھا۔ اس ضمن میں سرکاری تعلیم اور انگریز پسند طرزِ زندگی کامیابی کے لیے ضروری ہو گئے تھے۔ سماج میں در آنے والی تبدیلی کا مطلب تھا مردوں کی دنیا کا بدل جانا۔ یوں گھر کے اندر کی دنیا کو بھی تبدیلی کے لیے تیار کرنا ضروری تھا۔ دوسری بات یہ کہ لڑکوں کی ابتدائی تربیت گھر میں ہو رہی تھی۔ یوں باہر کی بدلی ہوئی دنیا سے اگر زنانہ کی مطابقت نہ ہو تو نوخیز کے لیے اس سے مطابقت قائم کرنے میں مشکل ہو سکتی تھی۔ اس لیے ماں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری قرار پایا۔ فسانہ خورشیدی میں انگریز استانی بھی یہی سمجھاتی ہے

اس میں شک نہیں ہے کہ یہاں کی عورتیں بالکل جاہل ہیں اور اکثر ان پڑھ ہوتی ہیں۔ اس لیے اولاد کی تعلیم اچھی نہیں ہوتی۔ لڑکے ماوں سے ایامِ طفولیت میں جس قدر ہلے ملے رہتے ہیں اس قدر کسی سے نہیں رہتے اور جو ماں کہ پڑھی لکھی ہوتی ہے وہ پہلے ہی سے ان لوگوں کی طبیعت پڑھنے لکھنے کی طرف رجوع اور بنیاد مستحکم کرتی ہے۔(۱۶)

یوں مردوں کی آئندہ نسل کی جدید تربیت کے لیے تعلیمِ نسواں لازم آئی۔ یہاں یہ بھی غور طلب ہے کہ اس معاملے کی طرف توجہ انگریز استانی دلا رہی ہے۔ دوسری طرف استعماریت کے زیرِ اثر معاشی نظام کے بدلنے سے پیدا ہونے والی غیر یقینی نے بھی اشراف کو مجبور کیا کہ وہ بدلتے حالات کے مطابق خود کو تیار کریں۔ فسانہ خورشیدی میں نواب بچیوں کی تعلیم و تربیت کے باب میں یہی دلیل دیتا ہے۔ اس کی بیوی اس حق میں نہیں کہ بچی کو تعلیم دی جائے کہ وہ رئیس زادی ہے اس کو ہنر سیکھنے کی کیا ضرورت۔ کام کاج کے لیے ملازمائیں موجود ہیں۔ اس کے جواب میں نواب محتشم الدولہ ایک حکایت سناتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک رئیس زادی ناگہانی سیلاب کی وجہ سے خاندان بھر میں اکیلی رہ جاتی ہے اور بے ہنر ہونے کی وجہ سے اسے طرح طرح کے مصائب کا سامنا رہتا ہے۔(۱۸) پھر استعماری نظام میں ملازمت کے لیے دور دراز مقامات پر بھی ٹھہرنا پڑ سکتا تھا۔ جیسے مراۃ میں اصغری کا والد اور شادی کے بعد اس کا شوہر بھی ملازمت کے سلسلے میں دوسرے شہروں میں مقیم ہوتے ہیں۔ ان حالات میں گھر کا نظم و نسق چلانے کی ذمہ داری بھی عورت پر آ رہتی ہے۔(۱۹) اصغری کا کردار اسی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

اصغری کی صفات اور طرزِ عمل پر غور کرنے سے ان توقعات اور مقاصد کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے جن سے اس کردار نے جنم لیا۔ دوسری بات اس کردار کو ناول کے پورے تناظر میں رکھ کر دیکھنا اور اُس دور میں عورت کے بارے موجود تصورات کے سیاق میں اس کی تفہیم سے کئی نئے زاویے سامنے آ سکتے ہیں۔ اوپر مذکور خط میں اصغری کا والد اسے نصیحت کرتے ہوئے اس مردانہ طرزِ فکر کے بنیادی خدوخال وضع کرتا ہے جس میں اصغری کی تشکیل ہوئی ہے۔ وہ سمجھاتا ہے کہ حوا کو آدم کی خوشنودی کے لیے پیدا کیا گیا۔

"عورت کا پیدا کرنا صرف مرد کی خوش دلی کے واسطے تھا اور عورت
کا فرض ہے مرد کو خوش رکھنا۔"(۲۰)

وہ عورتوں پر مردوں کی فضیلت کے دو سبب بیان کرتا ہے، جسمانی طاقت اور عقل۔ وہ عورتوں کی ان ڈینگوں کو بھی ناپسند کرتا ہے جس میں وہ مردوں کو زیر بار رکھنے یا نخروں کے ذریعے مطیع کرنے پر فخر کرتی ہیں۔ اس کی دانست میں بیوی کو شوہر سے محبت کے ساتھ ساتھ اس کا ادب بھی کرنا چاہیے۔ وہ ایسی رسموں کو آڑے ہاتھوں لیتا ہے جن سے مردوں پر عورت کی برتری قائم ہوتی ہو۔ اس کی نصیحت کا مرکز یہ ہے کہ اصغری شوہر کو ہر طرح سے خوش رکھے، اتفاق اور صلح کاری، خانہ داری میں خوشی کے لیے لازمی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں اور شوہر کا دل فرماں برداری سے رام کیا جا سکتا ہے۔ ان نصیحتوں کی مدد سے مطلوب تعلیم و تربیت کے اشارے مل جاتے ہیں۔ یہیں عورت بطور

صنف بھی کچھ صفات کا تعین ہوتا ہے۔اصغری کے کردار میں انھی خوبیوں کی جھلک ملتی ہے اس ایک فرق کے ساتھ کہ وہ عقل کی مدد سے گھر بھر کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔اس میں انتظام و انصرام کی صلاحیت کو تقویت اور دلیل ملکہ وکٹوریا کے کردار سے ملتی ہے۔اس طرح ناقص العقل ہونے کے باوصف اس کی تدبیر اور حسنِ انتظام کی خوبیاں ان مل نہیں لگتیں۔ تاہم یہ سمجھنا چاہیے کہ اصغری کی تمام خوبیوں کا مرکز اس کے شوہر کی ذات اور اس کا گھرانہ ہے۔وہ گھر میں ایک مدرسہ کھولتی ہے، جس کی تقریب کچھ اس طرح بنتی ہے کہ برادری کی ایک پھوہڑ رئیس زادی حسن آرا کو اصغری کی سلیقہ شعاری کا شہرہ سن کر اس کے پاس تربیت کے لیے بٹھایا جاتا ہے۔اصغری اس ایک شاگردہ کے ساتھ اپنی نند محمودہ کو بھی تربیت دیتی ہے جس کی خبر پا کر محلے سے اور لوگ بھی اپنی بچیاں یہاں چھوڑ جاتے ہیں۔اصغری تربیت کے شوق میں آنے والی ہر طالبہ کو اپنے مکتب میں جگہ نہیں دیتی۔وہ شاگردوں کے انتخاب میں نسلی شرف کو معیار بناتی ہے۔

> "حسن آرا کے بیٹھتے ہی محلے کا محلہ ٹوٹ پڑا۔ جس کو دیکھو اپنی لڑکی کو لیے چلا آتا ہے لیکن اصغری نے شریف زادیوں کو چن لیا اور باقیوں کو حکمت سے ٹال دیا۔" (۲۱)

اصغری کے اس عمل اور بچیوں کی تعلیم گھر پر دینے سے کم از کم ایک بات صاف ہو جاتی ہے۔ تعلیم و تربیت کا یہ منصوبہ اپنے اندر طبقاتی امتیاز رکھتا تھا۔ پھر اصغری کے مکتب میں جو تعلیم و تربیت دی جاتی ہے وہ اشراف زادیوں کو گھر میں درپیش ممکنہ مسائل اور صورتِ احوال کے لیے تیار کرنے کا مقصد لیے ہوئے ہے۔قرآن، ابتدائی حساب، لکھنا، پکانا، ریندھنا اور سینا پرونا یہ وہ نصاب ہے جس کی اصغری کے گھر پر تعلیم ہوتی ہے۔ان قابلیتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ نصاب گھر کی چار دیواری کے اندر خانگی زندگی کو زیادہ باسہولت اور کامیاب بنانے کے لیے ترتیب دیا گیا ہے اور اس سے عورتوں کے رول کا تعین بھی ہو رہا ہے۔

استعماریت کے زیرِ اثر پروان چڑھنے والا یہ تعلیمی منصوبہ ہندوستانی تہذیب کے زبانی پن (Orality) سے خواندگی (Literacy) کی طرف سفر کے حوالے سے بھی اہم ہے۔ہندوستانی تہذیب زبانی روایت سے تعلق رکھتی تھی اور اس میں آمیخت ہونے والی مسلم روایت میں بھی کتاب کی بنیادی اہمیت کے باوصف زبانی پن کا کردار مسلمہ ہے۔خود قرآن کو کتابی صورت بھی زبانی روایتوں سے سند لے کر دی گئی۔زبانی روایت میں راوی کی حیثیت اساسی ہوتی ہے۔اس کا استناد اس کی سماجی حیثیت، کردار اور تجربے سے قائم ہوتا ہے۔دوسری بات زبانی روایت میں رواج بھی بطور سند استعمال ہوتا ہے۔انیسویں صدی کی تبدیلیوں نے اس روایت کے استناد پر سوال اٹھانے کے لیے جو

استدلال استعمال کیا وہ منطق سے زیادہ محکم حیثیت کو استعمال کرتا ہے۔ زبانی پن میں راوی یا رواج کو جو استناد حاصل تھا، وہ مقام اب مطبوعہ کتاب اور رسمی تعلیم یافتہ کو حاصل ہوا۔ جس طرح رواج کسی رسم یا طور کے مستند ہونے کی علامت نہیں اسی طرح کوئی مطبوعہ کتاب یا کسی رسمی تعلیم کے ذریعے حاصل کردہ ڈگری بھی علم کا معیار نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر ناول نگاروں کے زاویہ نظر اور کرداروں کی پیش کش پر نظر رکھی جائے تو کچھ ایسی ہی صورت برآمد ہوتی ہے۔ مثلاً صورۃ الخیال کی دوسری جلد ہیئۃ المقال (۱۸۸۱ء) میں ایک بزرگ خاتون جب سہاگن کو سفید لباس پہننے پر منع کرتے ہوئے اس بد شگونی قرار دیتی ہے تو ہمت نامی ایک نوجوان خاتون جواباً کہتی ہے: "میں تو ہرگز اس بد شگونی کو نہیں سمجھتی، نہ آج تک کسی کتاب میں دیکھا، نہ کسی پڑھے لکھے سے سنا۔" اس جواب پر دوسری بڑی بی جز بز ہوتے ہوئے کہتی ہیں:

> "یہ آج کل کی جان ہارو، ٹانگ برابر کی لڑکیاں کسی کو خاطر میں لاتیاں ہیں؟ ہر بات میں کتاب، ہر سٹے یہ جواب کہ پڑھے لکھوں سے نہیں سنا۔" **(۲۲)**

بزرگ خاتون کے لیے بد شگونی تصورِ کائنات کا ایک اہم جزو ہے اور نوجوان عورت کے لیے کسی رسم یا رواج کی سند کتاب یا تعلیم یافتہ سے ملے گی۔ جو مقام رواج کو حاصل تھا، اب وہی حیثیت کتاب اور خواندہ لے رہے ہیں۔

فسانۂ خورشیدی میں بھی تعلیمِ نسواں کے ضمن میں دیسی اور استعماری تصورات کے تناؤ اور مفاہمت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلے دو کی طرح یہ ناول بھی عورت کو گھر کی چار دیواری میں تعلیم دینے کا قائل ہے۔ اس میں البتہ یہ نئی اپج ہے کہ استانی ایک انگریز خاتون ہے۔ خورشیدی کی تعلیم و تربیت کے معاملے میں اس کی ماں اور باپ کے خیالات مختلف ہیں۔ ماں گھر میں کسی انگریز خاتون کو دیکھنا نہیں چاہتی، کجا یہ کہ وہ خورشیدی کی تربیت کرے، تاہم باپ بضد ہے اور اس کے لیے وہ مختلف دلائل بھی فراہم کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ مس تھامسن اشراف میں سے ہے۔ یہ دلیل بذاتہٖ ہندوستانی تہذیبی قدر کا پتہ دیتی ہے۔ نواب اور اس کی بیوی انسانوں کو ان کی برادری یا ذات کی بنیاد پر دیکھتے ہیں۔ باپ کے لیے استانی کا انگریز ہونا اگر علم و فضیلت کا معیار ہے تو وہیں اسے یہ بھی اطمینان ہے کہ گھر میں آنے والی خاتون اشراف میں سے ہے۔ یہاں یہ اہم نکتہ برآمد ہو رہا ہے کہ کسی بھی خارجی مظہر کی تفہیم کوئی تہذیب اپنے پیمانوں، یعنی تصورِ کائنات کے اندر کرتی ہے۔ تھامسن کے علم و فضل کے ضمن میں جو خوبی درج ہے، خود اس کا تعلق بھی ہندوستانی سماجی اقدار سے ہی ہے۔ مس کو "اٹھارہ" زبانوں میں دستگاہ حاصل ہے۔ وہ یورپی اور مشرقی زبانوں کی ایک بڑی تعداد پر دسترس رکھتی

ہے۔اس کی مہارت کا یہ عالم ہے کہ بقول نواب بڑے بڑے ملا اس کی عربی وفارسی دانی کا لوہا مانتے ہیں۔خورشیدی کی تربیت کے لیے استانی کا انتخاب کرتے ہوئے نواب کے ذہن میں دو معیارات ہیں، نسلی شرافت اور زبانوں کا علم۔ ہندوستان جیسے کثیر لسانی ملک میں، روایت کے زبانی پن اور مغل دربار اور دیگر ہندوستانی درباروں میں مختلف سرکاری زبانیں ہونے کے سبب، مادری زبان کے علاوہ دیگر زبانوں سے واقفیت ملازمت کے حصول کا ایک بنیادی ذریعہ تھی۔ ابن الوقت کا مرکزی کردار دہلی کالج میں صرف اپنی زبان ٹکسالی بنانے کے لیے داخلہ لیتا ہے،**(۲۳)**؛

مجالس النسا کے سید امجد علی کو زبان سے واقفیت کی بنیاد پر ترک دربار میں ملازمت مل جاتی ہے۔**(۲۴)** زبانی پن کے حوالے سے دیکھیں تو تمام علم زبان میں ہی بند ہوتا ہے۔اس لیے علم کی کنجی زبان سیکھنے میں مضمر ہے۔ دوسری بات خاتون کے لیے ایک دو زبانوں کی قرات کا ہنر سیکھ لینا یہاں کافی خیال کیا گیا ہے اور اسے لکھنے کی تربیت دی جارہی ہے۔اسے اگر گھر سے باہر تعلیم کے لیے نہیں بھیجا جا سکتا تو ملازمت کا سوال کہاں پیدا ہو سکتا ہے۔اس لیے یہ صلاحیتیں گھر کی چار دیواری میں حساب کتاب کی ضرورت اور اگر شوہر یا باپ ملازمت کے سلسلے میں کسی دور دراز مقام پر ہو تو اس سے خط کتابت ممکن ہو سکے۔

فسانہ خورشیدی میں تعلیم کے علاوہ ایک اور ہنر ایسا سامنے آتا ہے جس کا استعماریت کے ساتھ تعلق ناول میں پوری تصریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تھامسن، خورشیدی اور اس کی چچازاد مشتری کی تعلیم میں ان کی دلچسپی کو خاص اہمیت دیتی ہے جس کے سبب دونوں کا جی پڑھائی میں خوب لگتا ہے۔ وہ انھیں ڈرائنگ سے متعلق بتاتی ہے تو خورشیدی اسے سیکھنے کا اشتیاق ظاہر کرتی ہے۔ تھامسن کی تربیت اور خورشیدی کے شوق کی بدولت چند ہفتوں میں اس کو ڈرائنگ کی خوب مشق ہو جاتی ہے، جو بعد ازاں ایک ہنر کا روپ دھار لیتی ہے۔ تھامسن اس کی بنائی تصویر کو ایک سرکاری نمائش میں بھیجنا چاہتی ہے۔ یہاں بھی اشراف روایات اور جدید طرزِ زندگی میں کشمکش سامنے آتی ہے۔ایک ایسا سماجی ماحول جس میں زنانہ مردانہ الگ ہو اور عورت کی آواز بھی غیر محرم کے کانوں میں پڑنے کی ممانعت ہو وہاں خورشیدی کی ڈرائنگ کو شہر بھر کے سامنے نمائش کے لیے پیش کرنا آسان نہیں، جبکہ اس کا باپ شہر بھر کی مشہور شخصیت ہے۔ یہاں بھی ماں انکاری ہے تاہم تھامسن کے سمجھانے سے نواب تیار ہو جاتا ہے اور خود بھی نمائش میں جاتا ہے۔ ظاہر ہے بہترین تصویر کا انعام خورشیدی کی بنائی ڈرائنگ کو ملتا ہے جس کا اعلان "گورنر جنرل بہادر ایڈ گانگ" کرتا ہے۔اس کی صدارتی تقریر کے بعض حصے ہندوستان میں تعلیمِ نسواں اور استعماریت کے تعلق کی تفہیم میں معاونت کرتے ہیں۔ وہ حیرت اور مسرت سے اعلان کرتا ہے کہ سب سے عمدہ نقشہ ایک ہندوستانی لڑکی کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے۔

۔۔۔اس لڑکی نے یہ بات ثابت کر دی کہ ہندوستان کی لڑکیاں بھی عقل و دانش میں انگلستان کی لڑکیوں سے کسی طرح کم نہیں۔ (خوشی) اگر ایسی ہی تعلیم جیسی اس لڑکی کی ہوئی ہے، ہندوستان کی کل لڑکیوں کی ہو تو پھر کوئی ان لوگوں پر ہنس نہ سکے اور خطاب جاہل ان پڑھ اور بد عقل کا نہ دے۔۔۔۔ یہ لڑکی جس نے آج یہاں اپنا نام یوں روشن کیا محض جاہل اور گمنام رہتی اگر ہمارے لائق اور معزز دوست نواب محتشم الدولہ بہادر سی ایس آئی اس رشتہ تعصب کو نہ توڑتے اور اپنی بیٹی کی تعلیم اس عنوانِ شائستہ سے نہ کرتے۔**(۲۵)**

یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ علم اور عقل کا تعین کرنے میں ہندوستانی آزاد نہیں رہے۔ یہ زمام اب انگریزوں کے ہاتھ ہے۔ وہی یہ طے کر رہے ہیں کہ علم کیا ہے۔ دوسری بات ان کی مقتدر حیثیت انھیں یہ موقع فراہم کر رہی ہے۔ نتیجہ اب وہی سر گرمیاں لائقِ تحسین ہیں جن کو وہ خوب قرار دے رہے ہیں۔ وہ کام جو انگلستانی لڑکیاں کرتی ہیں وہی اگر ہندوستانی کریں تو وہ بھی تعلیم یافتہ اور عاقل کہلائیں۔ اور ایسا نہ کرنے کی صورت لوگ نام دھرتے ہیں۔ ان ناولوں میں بعض مقامات پر انگریزی قانون اور جغرافیے کا علم بھی بذریعہ قصہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں بھی یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جغرافیے کا تعین کرنے میں ایک حد تک ہی ہندوستانی باشندے کو آزادی ہے۔ ناولوں کے کردار مسلمان ہیں اس لیے وہ لندن یا برطانیہ کے ساتھ ساتھ مکہ اور "عربستان" کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ آج بھی ہمارا جغرافیے کا تصور اور تصویر آزاد نہیں ہے۔ پہلے برطانیہ کے توسط سے یورپ ہمارے ذہنی جغرافیے کا حصہ بنا آج کل امریکہ اور اس کے حلیف و حریف ہماری تحریروں اور الیکٹرانک میڈیا پر نظر آتے ہیں۔ یوں جغرافیہ ایک حد تک آج بھی کسی دوسرے کا پابند ہے اور ہم اجتماعی سطح پر اسے آزادانہ دیکھنے کا مقام حاصل نہیں کر پائے۔

اگر ناولوں میں تعلیم کی ضرورت کے بارے پیش کیے گئے خیالات اور غیر رسمی نصاب پر نظر کریں تو ایک نکتہ واضح ہوتا ہے کہ یہاں تعلیم، علم کی تخلیق، جاننے کے ذوق اور دریافت کے شوق کی پیداوار نہیں ہے۔ یہ چند ضرورتوں کو پورا کر رہی ہے سو اس میں افادی نقطہ نظر (Utilitarian) غالب ہے۔ یہ چند ہنر مندیوں کو سکھانے کے گرد گردش کرتی ہے۔ اس کا مقصد انسان کے ذوقِ جستجو کو جلا بخشنا یا شوقِ تحقیق کی آبیاری کرنا نہیں ہے۔ اس لیے یہ تعلیم ایک محدود دائرہ کار کی حامل ہے۔

تینوں ناولوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ تعلیم گھر پر ہو رہی ہے۔ تصویر اگر نمائش میں جاتی بھی ہے تو مصورہ گھر پر ہی رکتی ہے اس کا باپ البتہ وہاں موجود رہتا ہے اور لائقِ تحسین گردانا جاتا ہے۔ یہاں عورت کا ایک نیا روپ

سامنے آرہا ہے جس میں وہ گھر ساز اور تربیت کار ہے۔اسے ایسے ہنر سکھائے جارہے ہیں جن سے گھرداری میں حسن سلیقہ در آئے اور استعماری صورتِ حال سے پیدا ہونے والی ضرورتیں بھی پوری ہوں۔ یہ بات صاف ہے کہ تعلیمِ نسواں، مردانہ ضرورتوں کے تابع تھی اور بڑی حد تک آج بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ایلون ٹافلر، "تیسری لہر"، مترجمہ ارشد رازی، مشعل بکس، لاہور، ۲۰۰۵ء

2. Margrit Pernau, "Middle Class and Secularization: The Muslims of Delhi in the Ninteenth Century" In Middle Class Values in India and Western Europe, edited by Helmut Reifeld & Imtiaz Ahmad, 2141- Social Science Press, New Delhi, 2001

3. Francis Robinson, "Religious Change and Self in Muslim South Asia Since 1860" In Islam in History and Politics: Perspectives from South Asia", edited by Asim Roy, 2136- Oxford University Press, New Delhi, 2006.

4. Bernard S. Cohn, "Colonialism and Its Forms of Knowledge", Princeton University Press, New Jersey, 1996.

5. Cf. Imtiaz Ahmad, "Caste and Social Stratification Among Muslims in India", Manohar, New Delhi, 1978 and Margrit Pernau, "Middle Class and Secularization" The Muslims of Delhi in the Ninteenth Century"

۶۔ محمد نعیم، "انیسویں صدی کی اردو دنیا اور استعماری حکمتِ عملیاں"، اورینٹل کالج میگزین ۸۶، شمارہ ۴ ۲۰۱۱ء، ص ۱۲۶۔۸۹

7. Partha Chatterjee, "The Nation and Its Fragments", Colonial and Postcolonial Histories, NJ. Princeton University Press, Princeton, 1993.

8. C. M. Naim, "Prize Winning Adab", A study of Five Urdu Books Written in Response to the Allahabad Government Gazette Notification" In Moral Conduct and Authority: The Place of Adab in South Asian Islam, Edited by Barbara Dely Metcalf, 290320- California University Press, Berkeley, 1984.

9. Cf Robert Darnton, "Literary Surveillance in the British Raj" Book History, No. 4, 2001, 133176-; Robert Darnton, "Book Production in British India, 18501900-" Book History, No.5 2002، 239262-.

۱۰۔ محمد نعیم، "اردو ناول کا آغاز اور استعماری نگرانی" الماس، شمارہ ۱۳، ۲۰۱۱-۱۲، ص ۵۰۸-۳۱۔

11. C. M. Naim, "Prize Winning Adab": A study of Five Urdu Books Written in Response to the Allahabad Government Gazette Notification"

۱۲۔ نذیر احمد، "مراۃ العروس"، صدیقی پریس، دہلی، ۱۹۱۴ء

۱۳۔ میتھیو کیمپسن، "تقریظ" مشمولہ مراۃ العروس، از نذیر احمد، صدیقی پریس، دہلی ۱۹۱۴ء، ص ۳-۵۔

14. Williams, Raymond---1998 --- "Analysis of Culture---" In Cultural Theory and Popular Culture: A Reader, by John Storey, 48---56- University of Georgia Press, Athens.

۱۵۔ سید علی محمد شاد، "ہیئۃ المقال"، پٹنہ، مطبع صبح صادق، ۱۸۸۱ء، ص ۱۲۔

۱۶۔ سید افضل الدین احمد، "فسانۂ خورشیدی" پٹنہ، مطبع سیدی، س ن، ص ۴۵۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۵۶-۷۳۔

18. Aamer Hussain, "Forcing Silence to Speak: Muhammadi Begum, Mir'atu 'l-'Arus and Urdu Novel" Annual of Urdu Studies, No. 11,1996,7186-

۲۰۔ نذیر احمد، "مراۃ العروس"، ص ۸۶۔

۲۱۔ ایضاً، ۱۵۵۔

۲۲۔ شاد، "ہیئۃ المقال"، ص ۲۲۔

۲۳۔ نذیر احمد، "ابن الوقت"، مرتبہ سید سبط حسن، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۵ء

۲۴۔ الطاف حسین حالی، "مجالس النسا"، دوسرا حصہ، مکتبہ سرکاری، لاہور، ۱۸۸۳ء

۲۵۔ سید افضل الدین احمد، "فسانۂ خورشیدی"، ص ۷۴-۷۵۔